شاہ مرداں، شیر یزداں، قوت پروردگار

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

از: پروفیسر نثار احمد فاروقی

☆ پروفیسر نثار احمد فاروقی موجودہ صدی کے ہندستان کی نامور علمی شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کو اردو، عربی، فارسی اور اسلامیات پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ اپنے احباب کے درمیان یہ علامہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ موصوف کا یہ مضمون روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو میں ۲۱ ر رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ (یوم شہادت حضرت علی علیہ السلام کے موقع پر) شائع ہو چکا ہے لیکن مقالہ کی عالمانہ حیثیت اور افادیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اسے اس شمارہ میں بھی شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

ماہ رمضان کی اکیسویں تاریخ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا یوم شہادت ہے۔ شہادت موت کی طرح فنائے تام نہیں، بقائے دوام ہے۔ یہ شام و سحر اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو کر زندۂ جاوید ہو جانا ہے۔ خود قرآن کریم اس کی گواہی واضح لفظوں میں دے رہا ہے: "جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، البتہ تم (اپنے ظاہری حواس سے) اس کا ادراک نہیں کر سکتے" (۲ر۱۵۴) ہمارا ناقص اور محدود علم یہ کہتا ہے کہ زندہ رہنے کے لئے رزق بھی ضروری ہے، تو اللہ نے یہ بھی کہہ دیا کہ شہیدوں کو اپنے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے (۳ر۱۶۹)۔ حضرت علی ابن ابی طالب تاریخ اسلام کی ایسی ممتاز، محبوب، محترم۔ عظیم اور زندہ جاوید شخصیت ہیں کہ شہادت یعنی زندگی جاوید ان کے گھر کی کنیز ہے۔ یہ ان کا اور ان کے خاندان کا خون ہی تو ہے جو دین اسلام کی رگ و پے میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے۔ یہ رنگینی، یہ لالہ کاری، یہ آب و تاب، یہ قوت اور حرارت اسلام کو کہاں سے ملی ہے؟ یہ حضرت علیؑ اور ان کے اہل بیت کا صدقہ ہے۔ ان میں سے جس کی طرف بھی نظر اٹھایئے غلام ہمدانی مصحفی امروہوی کا شعر یاد آتا ہے۔

خونیں کفن شہید الفت

دولہا سا بنا ہوا کھڑا ہے!

حضرت علیؑ کتنے ناموں سے پکارے جاتے ہیں ابوالحسن، ابوتراب (یہ دونوں لقب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عطا فرمائے تھے۔ خود حضرت علیؑ کو اپنا لقب ابوتراب پسند تھا، اگر کوئی اس لقب سے خطاب کرتا تھا تو آپ خوش ہوتے تھے۔) علی مرتضٰی، اسد اللہ، شیر خدا، مشکل کشا، خیبر شکن، حیدر کرار، یہ سب انہیں کی شانیں ہیں، جو قرآن کریم میں بھی کہیں اعلانیہ بیان ہوئی ہیں اور کہیں ستر پردوں میں بھی نہیں چھپ رہی ہیں۔ احادیث نبوی کا کوئی بھی مجموعہ ایسا نہیں جس میں حضرت علیؑ کے فضائل کی روایات نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہیں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا میں آقا ہوں علی بھی اس کے آقا ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں: اے اللہ جو علیؑ سے محبت کرے تو بھی اس کو دوست رکھیو۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے" انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" میں علم کا شہر ہوں، علی اس کا دروازہ ہیں (ترمذی ، الطبرانی ، المستدرک) اب ہمارے زمانے میں تو شہر کے دروازے کا تصور ہی نہیں رہا، ابھی پرانی دہلی میں دو ایک دروازوں کے آثار باقی ہیں۔

> حضرت علی ابن ابی طالب تاریخ اسلام کی ایسی ممتاز، محبوب ، محترم۔ عظیم اور زندہ جاوید شخصیت ہیں کہ شہادت یعنی زندگی جاوید ان کے گھر کی کنیز ہے۔ یہ ان کا اور ان کے خاندان کا خون ہی تو ہے جو دین اسلام کی رگ و پے میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے۔

جب شہر پناہ ہوا کرتی تھی اس کے دروازے دن چھپے بند کر دئے جاتے تھے، پھر شہر میں کوئی بھی کسی طرح داخل نہیں ہو سکتا تھا، جب تک وہ دروازہ نہ کھلے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ علم ہیں تو ان تک پہنچنے کا ذریعہ حضرت علیؑ ہیں۔ خدا علیم مطلق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نے ہمیں اس کی ذات و صفات سے آگاہ کیا، اس تک پہنچایا ہے، حضرت علیؑ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، تو یوں یہ سلسلہ آگے تک پہنچا ہوا ہے۔

حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کثیر ہیں، اسی لئے ان کے رتبے کو سمجھنا آسان نہیں۔ ایک طرف نصیری فرقہ علیؑ کو خدا بنا کر پیش کرتا ہے تو دوسری جانب ایسے بدبخت بھی ہیں جو ان کے اسلام میں بھی شک کرتے ہیں۔ تاریخ انسانیت میں ایسی مثالیں بہت ہی کم ملیں گی کہ ایک ہی شخصیت کے بارے میں اختلاف رائے اس حد تک ہو۔

حضرت علیؑ کے مناقب و فضائل کچھ تو وہ ہیں جو دن کی روشنی سے زیادہ واضح ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا جناب ابو طالب کے فرزند ہیں۔ وہ رسول اللہ کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراءؑ کے شوہر اور امام الشہداء حضرت حسینؑ کے والد ماجد ہیں۔ اس پر اجماع امت ہے کہ وہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں۔ مختلف روایات میں اسلام قبول کرتے وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال اور کم سے کم سات سال بیان کی گئی ہے۔ ابو یعلی نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ "بعثت پیر کے دن ہوئی اور میں نے منگل کو اسلام قبول کر لیا تھا۔" زید بن ارقم، جن کے گھر میں ابتدائی زمانے میں مسلمان چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے ' کا بیان ہے کہ سب سے پہلے علیؑ نے نماز پڑھی تھی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ علیؑ نے کبھی کسی بت کی پوجا قطعاً نہیں کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا تو انہوں نے حضرت علیؑ ہی کو اپنے بستر میں سلا کر مدینے کی طرف ہجرت کی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی اہل مکہ کی ساری امانتیں واپس کرنے کے بعد تیسرے دن مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ حضرت علیؑ تمام غزوات میں شریک رہے، وہ مسلمانوں کا جھنڈا لے کر آگے آگے چلتے تھے، اور ہر معرکے میں اپنی جان پر کھیل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے۔ حضرت سعید بن المسیبؓ کا بیان ہے کہ جنگ احد میں علیؑ کے جسم پر سولہ زخم آئے تھے، اس کے باوجود وہ ثابت قدم رہے۔ شہیدوں کی لاشیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور انہیں دفن کرتے تھے۔ صرف غزوۂ تبوک میں وہ شریک نہیں تھے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینے میں اپنے گھر اور اہل و عیال کی خبر گیری اور حفاظت کے لئے اپنا نائب بنا کر

چھوڑا تھا۔اس پر بعض ستم ظریفوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ رسول اللہ نے ضرور کوئی بات ناپسند کی ہے اس لئے علیؑ کو اپنے ساتھ نہیں لیا۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ مجھے کیوں چھوڑے جاتے ہیں؟ فرمان رسالت ہوا: "اے علی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میرے ساتھ تمہارا وہی رتبہ ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کا تھا بس اتنا ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ یعنی اگر سلسلہ نبوت منقطع نہ ہوا ہوتا تو تم نبی بھی ہوتے۔ بخاری و ترمذی نے حضرت سعد بن وقاصؓ سے یہ روایت اخذ کی ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی منی وانا من علی" (میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں) حضرت عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا: انت اخی فی الدنیا والاخرۃ (تم دین اور دنیا دونوں میں میرے بھائی ہو) حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: علی کی تین خصوصیات ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے نصیب ہو جاتی تو میں اسے سرخ اونٹوں کے انعام سے زیادہ پسند کرتا۔ کسی نے پوچھا وہ کونسی خصوصیات ہیں؟ فرمایا: ایک تو یہ کہ وہ حضرت فاطمہ کے شوہر ہیں، دوسرے ان کا گھر مسجد نبوی کے اندر ہے، تیسرے یہ کہ غزوۂ خیبر میں وہ علم اٹھائے ہوئے تھے" (مسند احمد بن حنبل) جب شام میں حضرت جعفر طیار کی شہادت ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر علی کو کہیں کسی مہم یا کسی کام کے لئے روانہ کرتے تھے تو دعا مانگتے تھے، "یا اللہ مجھے تنہا نہ چھوڑیو تو ہی سب سے اچھا وارث ہے" (۲۱/۸۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ظاہری علوم دنیا کو دیئے تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ ان سب علوم کے ترجمان علی ہی تھے۔ قرآن تو ان کے گھر میں نازل ہوا تھا اور جبریل علیہ السلام ان کی آنکھوں کے سامنے آتے تھے، اسی لئے جب کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش آیا تو انہوں نے وہی فیصلہ دیا جو روح اسلام کے عین مطابق ہوا۔ جسٹس امیر علی نے صحیح لکھا ہے۔ "رسول اللہؐ کی جو تعلیمات بچپن ہی سے علی کے دل ودماغ میں جاگزیں ہو گئی تھیں ان کے ثمرات آگے چل کر ان کے خطبات و مواعظ میں نظر آرہے ہیں۔ صرف یہی نہیں ابتدائی دور میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علیؑ کی شخصیات ہی ایسی ہیں جو عربی گرامر، لغت، تاریخ، انسانیت، ریاضی، ہندسہ وغیرہ علوم میں بھی

دلچسپی لیتی نظر آتی ہیں۔ فقہ اور قانون میں حضرت علیؓ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے احکام شرعیہ کو عقلی تاویلات کی روشنی میں بھی پرکھا ہے۔ حضرت علیؓ سے ۵۸۶ احادیث مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنیوالوں میں محمد بن الحنفیہ، حسن و حسین، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابو موسیٰ اشعری، ابوہریرہؓ عنہم اجمعین جیسے ممتاز اصحاب کرام شامل ہیں۔

دوسرا پہلو یعنی اسلام کا روحانی پہلو، اسلامی تعلیمات کے رموز، ان کی روح اور روحانیت کو بھی حضرت علیؓ نے اپنے اعمال و اقوال سے شائع کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ تصوف اسلامی کے جتنے سلسلے رائج ہیں، نقشبندی طریقے کو چھوڑ کر ان سب کا مصدر اور مرجع بھی حضرت علیؓ ہی کی ذات گرامی ہے۔

جب یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تھی، جس کا تذکرہ قرآن کی سورہ الفیل میں ہے، اس حادثے کے تیس برس بعد ۱۳ر رجب کو حضرت علیؓ کی ولادت ہوئی تھی، جتنی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پائی یعنی ۶۳ سال اتنی ہی عمر میں آپ نے خلعت شہادت پہنا۔ ایک ازلی بد نصیب اور شقی انسان نے ۱۹ر رمضان ۴۰ھ کو فجر کی نماز سے پہلے کوفے کی مسجد میں چھپ کر زہر آلود خنجر سے آپ پر حملہ کیا، جس کے نتیجے میں آپ ۲۱ر رمضان کو اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ یہ وہ شب تھی جسے قرآن نے ہزار مہینوں سے بہتر کہا ہے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خوارج کے ڈر سے نہایت راز داری کے ساتھ انہیں کوفہ کے دار الامارہ میں دفن کر دیا گیا، بعد میں کسی وقت حضرت حسنؓ نے ان کے تابوت کو مدینہ منورہ میں لا کر دفن کیا۔ اس بارے میں دوسری روایات بھی شائع ہو گئی ہیں۔

حضرت علیؓ کی مدت خلافت چار سال نو ماہ اور تین یوم ہے۔ یہ تاریخ اسلام کا بڑا نازک زمانہ تھا۔ حضرت علیؓ کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ نہ ہو، یہ طاقت مجتمع ہو کر بڑھے اور اعلیٰ مقاصد کے حصول میں کام آئے، مگر اسی زمانے میں فتنے بھی اسی طرح پھوٹنے جیسے برسات میں گھاس اگتی ہے۔ ادھر کوفہ میں جو حضرت علیؓ کا دار الخلافہ تھا ان کی فوج کا وہ حال تھا جو نہج البلاغہ کے ایک خط سے ظاہر ہے کہ وہ اہل شام سے لڑنے کے لئے فوج بھیجنا چاہتے ہیں مگر فوجی ٹال مٹول کر رہے

ہیں۔ آخر یہ خبر ملتی ہے کہ شامی فوج انبار کے علاقے میں گھس آئی اور وہاں کی چوکی کو لوٹ کر تباہ کر دیا۔ یہ خبر پا کر حضرت علیؓ نے ایک خط لکھا اور حکم دیا کہ نماز جمعہ کے بعد کوفے کی مسجد میں پڑھ کر سنادیا جائے۔ اس خط کے ایک ایک لفظ میں جو تاثیر اور کرب ہے وہ بیان نہیں کیا جاسکتا، خدا توفیق دے تو محسوس کیا جاسکتا ہے، حضرت علیؓ نے لکھا تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، خدا کے بندے علی امیر المومنین کی طرف سے ان کے کوفی حامیوں کے نام۔ سلام علیکم، بے شک جہاد جنت کا دروازہ ہے۔ جس نے جہاد ترک کیا خدا نے اس کو ذلت کی پوشاک پہنادی اور اس پر پستی مسلط کر دی۔ میں نے اس قوم کے خلاف دعوت جہاد دی، صبح کو بھی شام کو بھی، رازداری سے بھی، کھلے بندوں بھی۔ میں نے تم سے یہ کہا کہ ان لوگوں سے لڑ جاؤ قبل اس کے کہ وہ تم پر چڑھائی کریں۔ وہ قوم ذلیل ہو جاتی ہے جس کے دشمن اس کے گھر آنگن میں گھس کر لڑیں۔ دیکھو برادر بنو عامر انبار تک آپہنچا ہے، اس نے ابن حسان البکری کو قتل کر کے تمہاری چوکی کو اس کی جگہ سے ہٹادیا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ دشمن باطل پر ہوتے ہوئے بھی جی جان سے ایک ہیں، تم حق پر ہوتے ہوئے بھی تتر بتر ہو۔ خدا کی قسم تم نے میرا سینہ غم اور غصے سے پر کر دیا ہے، میری ہر سانس کو میرے لئے تلخ ترین گھونٹ بنادیا ہے اور میری دانش کو خود میری ہی نظر میں پراگندہ کر دیا ہے، قریش کہنے لگے ہیں کہ "علی بن ابی طالب آدمی تو صاحب شجاعت ہے مگر آداب جنگ سے ناواقف ہے۔ میں انہیں ان کے باپ کے نام پر خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ان میں کوئی ایک بھی ایسا ہے جس نے جنگ کی سختیاں مجھ سے زیادہ جھیلی ہوں؟ میں نے اس وقت سے جنگ میں حصہ لینا شروع کیا تھا جب میری عمر بیس برس بھی نہ تھی، آج میں ساٹھ سال کا ہوں، بات یہ ہے کہ جس کا حکم نہ مانا جائے اس کی رائے کیا اور دانش کیا؟"

کسی نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ پہلے خلفاء کے زمانے میں تو اتنا انتشار نہ تھا آپ کے عہد میں ایسا کیوں ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: ان خلفاء کا مشیر میں تھا اور میرے تم لوگ ہو۔"

غرض ایمان میں سبقت ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت یا ان سے قربت اور قرابت، جان و مال کی قربانی اور قناعت یا کتاب و سنت کا گہرا علم و حکمت، جہاد فی سبیل اللہ ہو یا میدان

جنگ میں شجاعت اور استقامت، ورع و تقویٰ ہو یا زہد و عبادت، علم اور عمل میں فضیلت و امتیاز کا کون سا پہلو ایسا ہے جس پر نگاہ کریں اور حضرت علیؑ کی سیرۃ ایک مثال بن کر ہمارے سامنے نہ آئے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ دیکھنے والے راویوں نے اکثر معمولی کرتے اور چادر اور تہبند میں ملبوس دیکھا ہے، کبھی کرتے میں پیوند بھی ہوتے تھے، کسی نے ٹوکا: امیر المومنین آپ پیوند لگا کرتا کیوں پہنتے ہیں، فرمایا اس سے طبیعت میں انکسار پیدا ہوتا ہے اور یہ دوسرے مسلمانوں کے لئے نمونہ بھی بنتا ہے۔ بازار میں

"جب حضرت علیؑ اس دنیا سے گئے تو ایک تلوار، اور قرآن کریم کا ایک نسخہ ترکے میں چھوڑا تھا۔ صرف سات سو درہم نقد تھے جو عطا کرنے سے رہ گئے تھے، بعض مورخ کہتے ہیں کہ وہ اس رقم سے کوئی غلام خریدنا چاہتے تھے تاکہ اسے آزاد کریں"۔

تشریف لے جاتے ہیں، ایک معمولی کپڑے کا کرتا خریدنا ہے، دکاندار سے پوچھا: مجھے پہچانتے ہو کون ہوں؟ اس نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں! اسے سلام کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں اور اس دکاندار سے خریدتے ہیں جو انہیں جانتا۔ سخاوت کا یہ عالم تھا کہ ان کے عہد میں بیت المال اکثر خالی رہا۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ بیت المال میں روپے موجود ہوں اور کوئی ضرورت مند اپنی کسی احتیاج کے لئے پریشان رہے۔ "جب حضرت علیؑ اس دنیا سے گئے تو ایک تلوار، اور قرآن کریم کا ایک نسخہ ترکے میں چھوڑا تھا۔ صرف سات سو درہم نقد تھے جو عطا کرنے سے رہ گئے تھے، بعض مورخ کہتے ہیں کہ وہ اس رقم سے کوئی غلام خریدنا چاہتے تھے تاکہ اسے آزاد کریں"۔

☆☆☆☆☆